اُردو افسانے کا ابتدائی روپ اور مغربی تہذیب کی عکاسی

Early Form Of Urdu Fiction And Reflection Of Western Civilization

محمد نعیم، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، جامعہ پشاور
Muhammad Naeem
Ph.D Scholar, Dept of Urdu, University of Peshawar

ڈاکٹر سلمان علی، پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ پشاور
Dr. Salman Ali
Professor, Dept of Urdu, University of Peshawar

Abstract:
In Urdu fiction, along with the novel, short fiction also gained acceptance from its initial appearance. The early writers of Urdu fiction adopted the corrective aspect and on the one hand reflected the Indian indigenous culture and environment and on the other hand the Western civilization prevalent due to the presence of British imperialism in the Indian subcontinent and the development of Western countries and their technology. Also provided highlights. This wave of elements of Western civilization and its growing trend in Indian society can be seen initially with prominent examples in the fictions of Prem Chand, Sajjad Haider Yaldirim and Sultan Haider Josh.
Key words: Urdu, Fiction, western civilization, Prem chand, Sultan Haider Josh

کلیدی الفاظ: اردو، فکشن، مغربی تہذیب، پریم چند، سلطان حیدر جوش

اُردو ادب میں افسانہ کی صنف نے اپنی ابتدائی نمود ہی سے پذیرائی حاصل کی۔ اس کی ظاہری وجوہات میں سب سے پہلے تو کہانی سے ابتدائی طور پر انسان کی دلچسپی تھی۔ جبکہ اس سے ربع صدی پیشتر اس دھرتی پر اُردو ناول کی ابتدا نے بھی اسے پروان چڑھانے میں کردار ادا کیا، جو نہ صرف داستان، اس کے غیر حقیقی واقعات اور تخیلاتی کرداروں اور ماحول سے رستہ موڑتے ہوئے ایک نئی شاہراہ پر محوِ سفر ہونا تھا، بلکہ اس سفر میں ایسے واقعات اور مناظر کو اپنی ڈائری کا حصہ بنانا تھا جس کی بنیاد حقائق پر ہو۔ گویا ناول اخلاقی تمثیل سے ان معنوں میں مختلف ہے کہ ناول کے کردار اپنی تمام تر انفرادیت کے باوجود ہمارے گرد و پیش کی دنیا میں بسنے والے لوگوں میں سے ہوتے ہیں نہ خیر مجسم نہ شر مجسم، نہ فرشتے نہ شیطان، بلکہ عام آدمی جو خوبیاں بھی رکھتے ہیں اور خامیاں بھی، عزائم بھی اور مجبوریاں بھی۔ وہ مختلف صفات کا مرکب ہوتے ہیں اور اخلاقی تمثیل کے کرداروں کے برعکس کسی خاص صفت کا مجسمہ نہیں ہوتے۔"(۱)

اگرچہ فطری عمل کے طور پر اپنے ان ابتدائی تجربات میں ناول نگار ابھی پوری طرح سے ناول کی تخلیق میں تخیلی اور تصورانہ فنکاری سے جان نہ چھڑا سکا جو داستان کا خاصہ تھا۔ بقول سید وقار عظیم؛

> "یا یوں کہنا چاہیے کہ نذیر احمد، شرر اور سرشار کے ہاتھوں حقیقت کی زندگی کا مصور، ترجمان، مفسر، نقاد اور خدمت گزار بن کر بھی اپنے آپ کو تخیل، تصور اور شعریت کی ان قدروں سے جدا نہیں کر سکا جن کی مدد سے داستان نے ایک جہانِ نو بنائے کی روش کو اپنا شیوہ بنایا تھا۔"(۲)

افسانوی ادب کے ارتقائی سفر میں اُردو افسانہ نے نہ صرف یہ کہ مغربی تکنیک کی طرح کہانی کو اختصار پر آمادہ کیا بلکہ داستان اور ناول کے ابتدائی نمونوں کی تخیلاتی فضا سے بھی چھٹکارا حاصل کیا۔ کہانی مختصر و محدود واقعات اور کرداروں کے گٹھ جوڑ سے بڑی حد تک واقعیت کے رنگ میں پیش ہونے لگی۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار ناگزیر ہے کہ افسانہ کی صنف کو اُردو ادب میں ابتدائی طور پر متعارف کرانے والوں کے ہاں کہانی اور اس کی پیشکش کا انداز اپنے اپنے طور پر منفرد سہی لیکن غالب روایتی موضوع کے طور پر اصلاح کا پہلو سب کے ہاں دکھائی دیتا ہے۔ تاہم اس رجحان کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اُردو افسانے کی اس دھرتی پر اپنی ابتدائی نمود نے بھی ہندوستانی ماحول اور معاشرے کی تصویر کشی کی۔ گویا افسانہ نگار متعلقہ

خطے اور ماحول میں آنکھ کھولنے والے تخلیق کار کی طرح اپنے شعور و لاشعور کی پرتوں پر پڑنے والے عکس کو اپنی تحریروں میں دکھانے لگا۔

اُردو افسانے کا آغاز بیسویں صدی کی ابتدائی دہائی میں ہوا۔ یہ وہ دور ہے جب انگریز سامراج برصغیر پاک و ہند میں اپنے پیر جما چکا ہے۔ اس ماحول میں دیسی فضا اور مقامی تہذیبی عناصر کے رواج کے ساتھ فاتح قوم کے تہذیبی عناصر بھی اپنی مادی اور غیر مادی خصوصیات کے ساتھ رواج پا رہے تھے۔ جیسا کہ "کلچر ایک مربوط اکائی ہے جس میں اوزار، ہتھیار، صارفین کی کل اشیائے صرف گروہوں کی مجلسی زندگی کی رہنمائی کے لیے دستور نامے، انسانی افکار، صناعات، عقائد اور رسوم و رواج سب شامل ہوتے ہیں۔"(۳) اگرچہ غالب سطح پر ہندوستانی تہذیب یا اسلامی اقدار اور مذہبی عقائد کی بنیاد پر قائم مذہبی اقدار ہی اس معاشرے میں رواجِ عام حاصل کر چکے تھے، لیکن اس کے روبرو انگریزی زبان، مغربی سوچ اور تہذیبی عناصر کی چکاچوند نے بھی ہمارے معاشرے کے افراد کو متاثر کیا۔ "انگریزوں کی فتح یابی کے بعد زندگی کا ہر ادارہ بنیادی اور ہمہ گیر تبدیلی کی زد میں آ گیا تھا۔ مغربی ثقافت اور تہذیب کی یلغار شروع ہو گئی تھی۔ یورپی علوم و فنون کا چرچا ہونے لگا تھا۔ سرکاری نظم و نسق کی صورت حال بدل گئی تھی۔ ریلوں کا جال بچھنے لگا تھا۔۔۔ تاکہ وہ آقاؤں اور غلاموں کے درمیان رابطے کا وسیلہ بنے۔"(۴) معاشی منافع، مذہبی جنون اور مہمانہ جذبوں کے تحت سامراج تیزی سے پھیل رہی تھی۔ "ان کے باعث بقول راڈیارڈ کپلنگ سفید فام آدمی نے ساری دنیا کا بوجھ اپنے کندھے پر اُٹھا لیا۔ عیسائیت اور تہذیب و تمدن پھیلانے کے لیے اس نے ساری دنیا کو بے دریغ فتح کیا اور مقامی تہذیبوں کو نیست و نابود کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔"(۵)

مغربی تہذیب معنوی اعتبار سے ان سماجی و اخلاقی اقدار یا قاعدوں، عقائد و نظریات کے نظام، رسوم و رواج اور آلات و ٹیکنالوجی کے تناظر میں مخصوص نظام رکھنے والے اس مخصوص معاشرتی نظام کا نام ہے جس کا تعلق یورپی ممالک، شمالی اور لاطینی امریکہ کے علاوہ ان ممالک سے بھی ہے جو تاریخی حوالے سے یورپ سے ہجرت اور ان کے نوآبادیاتی نظام کے زیرِ اثر ہونے کے ہے۔ چنانچہ "مغربی تہذیب چند جغرافیائی حد بندیوں کی مرہونِ منت نہیں بلکہ یہ مخصوص عقائد، اقدار اور نظریات پر مبنی ذہنیت ہے۔ تمام وہ ممالک جو آزادی، مساوات اور ترقی کو قدر یعنی خیر اور شر جانچنے کا آلہ گمان کرتے ہیں وہ سب مغربی ذہنیت کے مالک ہیں اس لیے ان کو مغربی ممالک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے امریکہ روس

چائنہ اگرچہ یہ ممالک مغرب میں واقع نہ ہوں یعنی شمال و جنوب میں ہوں۔" (۶)ہندوستانی معاشرے میں مغربی تہذیب اور اس کی تقلید کے نتیجے میں اس کی جو مخالفت ہوئی وہ واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ شاعرانہ زبان میں ان نظریات کا اظہار اکبر الہ آبادی اور اقبال کے ہاں پایا گیا۔"اکبر خصوصیت سے محض سرسید ہی کے مخالف نہ تھے بلکہ مغربی تہذیب کو مشرقی اقدار کی موت جان کر انگریزی ذہنیت کے خلاف تھے"(۷)اسی طرح روشِ مغربی اپنانے کی جو ہوا اس دور میں چل پڑی تھی علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں اسے جس طرح سے طنز کا نشانہ بنایا، مولانا عبدالسلام ندوی نے اقبال کے ان ظریفانہ اشعار کو اکبر ہی کی تقلید بتایا:

"اکبر الہ آبادی کی تقلید میں ڈاکٹر صاحب نے چند ظریفانہ اشعار بھی لکھے ہیں اور بعض موقعوں پر کامیاب بھی ہوئے ہیں، مثلاً:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈھ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِ نظر وضع مشرق کو جانتی ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ" (۸)

یقیناً اقبال نے روشِ مغربی کو بسا اوقات تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اس سے پہلو تہی کرنے پر زور دیا ہے۔ "اقبال کے ہاں مغربی تہذیب کے متعلق زیادہ تر مخالفانہ تنقید ہی ملتی ہے اور یہ مخالفت اس کی رگ وپے میں اس قدر رچی ہوئی ہے کہ اپنی اکثر نظموں میں جا وبے جا ضرور اس پر ایک ضرب رسید کر دیتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ اثر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کو مغربی تہذیب میں خوبی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا، اس کے اندر اور باہر فساد ہی فساد دکھائی دیتا ہے، گویا یہ تمام کارخانہ ابلیس کی تجلی ہے۔ بعض نظمیں تو خالص اسی مضمون کی ہیں۔ اپنی غزلوں میں بھی حکمت و عرفان، تصوف اور ذوق و شوق کے اشعار کہتے کہتے یوں ہی ایک آدھ ضرب مغرب کو رسید کر دیتے ہیں۔"(۹) بہر حال اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مغربی تہذیب کے عناصر انگریزوں کی اس خطے میں موجودگی کے زیرِ اثر رواج پا رہے تھے۔ تہذیبی اقدار کے اس شعوری اور غیر شعوری تسلط کی ایک خاص وجہ صرف فاتح و مفتوح قوم کے زیرِ اثر غالب و مغلوب احساس، جس نے احساس کمتری اور احساس برتری کی فضا کو قائم کیا، دراصل اس صنعتی انقلاب کا نتیجہ تھا جس نے یورپ کی تقدیر بدل دی۔ نہ صرف یہ بلکہ صنعتی ترقی کا یہی حملہ تھا جس نے ہمیں بحیثیتِ قوم یورپ کا غلام بنایا۔

"بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ بھاپ اور بجلی کی ایک نئی طاقت جو یورپ کی صنعتی زندگی میں انقلاب لائی اس سے ہم محروم تھے۔ ہماری دستکاری

باوجود اپنی نفاست اور ہنر مندی کے یورپ کی مشینی صنعت کا مقابلہ
نہیں کر سکی۔ ہم غلام کسی ملک اور قوم کے نہیں ہوئے بلکہ اس طاقت
کے ہوئے جسے صنعتی انقلاب نے یورپ میں رہا کیا۔"(۱۰)

ان عوامل کے نتیجے میں ہندوستانی معاشرے میں مشرقی اقدار کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کے عناصر بھی اپنی جھلک پیش کر رہے تھے چنانچہ اُردو ادب کی باقی اصناف کے ساتھ افسانہ میں بھی مغربی تہذیب کے پرتو دکھائی دیے۔ مغربی تہذیبی عناصر کی اُردو افسانے میں یہ عکاسی ہمیں ابتدائی طور پر پریم چند، سجاد حیدر یلدرم اور سلطان حیدر جوش تینوں کے ہاں دکھائی دیتی ہے۔ اُردو افسانہ کے حوالے سے ان ابتدائی افسانہ نگاروں کے افسانوں میں مغربی عناصر کی نمود کے حوالے سے بات کی جائے تو ابتدائی طور پر پریم چند کے اس نوع کے افسانوں میں مس پدما، برات، لعنت، دو سکھیاں وغیرہ افسانے اس رجحان کی مثالیں ہیں۔ یہاں اس امر کا اظہار بھی کیا جائے کہ مغربی تہذیب کی عکاسی کے حوالے سے پریم چند کے ہاں زیادہ تر اس سے بیزاری کا رویہ اپنایا گیا۔ یہ بات ان کے اس رجحان کے افسانوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

پریم چند کا افسانہ "لاٹری" بغیر محنت راتوں رات امیر بننے اور نلوہ کمائی کے اس رجحان کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے جس سے غربت و پسماندگی کے مارے ہندوستانی معاشرے کے افراد نے بھی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ مذکورہ افسانے میں پریم چند نے فرنچ لاٹری کو موضوع بناتے ہوئے مغربی تہذیب کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔

"جلدی سے مالدار بن جانے کی ہوس کسے نہیں ہوتی۔ ان دنوں جب
فرنچ لاٹری کے ٹکٹ آئے تو میرے عزیز دوست بکرم کے والد، چچا،
بھائی، ماں سبھی نے ایک ایک ٹکٹ خرید لیا۔ کون جانے کس کی تقدیر
زور کرے۔ روپے رہیں گے، تو گھر ہی میں کسی کے نام آجائیں۔"(۱۱)

پریم چند مغربی تہذیب کی دین دیگر مسائل کی طرح "لاٹری" کی سکیم کو بھی لالچ اور حرص پر مبنی عمل قرار دیتے ہوئے اپنے خطے کے باسیوں کی اس میں دلچسپی کی نہ صرف عکاسی کرتے ہیں بلکہ دولت کے اس طریقے سے سہل حصول کے لیے اُن کی فطرت میں حرص وہوس کے پہلوؤں کو بھی اُجاگر کرتے ہیں۔ وہ اس طرز سے حاصل کیے جانے والے مال وزر کو صریحاً جوا قرار دیتے ہیں۔

"اگر میں جانتا، آپ یہ پہلو اختیار کریں گے تو اپنی بیوی بچوں کے نام ٹکٹ لے لیتا"

"تو یہ آپ کا قصور ہے"۔

"اسی لیے مجھے خیال تھا کہ آپ میرے حقیقی بھائی ہیں، اور یک جا معاملہ ہے"۔

"یہ جوا ہے، آپ کو سمجھ لینا چاہیے۔"(۱۲)

اور پریم چند لاٹری کے حقدار ملک کو بھی علامتی انداز میں پیش کرتے ہوئے فرق کو اُجاگر کر دیتے ہیں۔

"اس شہر کا صفایا ہے۔ شہر ہی کافی نہیں، سارے ہندوستان کا۔ امریکہ کے ایک آدمی کا نام آیا ہے"(۱۳)

مغرب کی دیکھا دیکھی لاٹری سکیموں کے اس رجحان کو پریم چند نے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی

"بغیر محنت کے حصولِ زر کی خواہش کا شارٹ کٹ۔ پوری قوم لاٹری اور انعام کے طلسم میں گرفتار ہے۔ جہاں نمائش لگتی ہے وہاں نمائش تو کم ہوتی ہے، انعام اور لاٹری کی نمائش زیادہ زور باندھتی ہے۔"(۱۴)

مغربی تہذیب کی عکاسی کے ضمن میں پریم چند کا افسانہ "لعنت" اس لحاظ سے ایک اہم افسانہ ہے کہ اس افسانے میں پریم چند نے بعض مواقع پر مغربی تہذیبی زندگی کے بعض رجحانات پر اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔

"کاؤس جی نے جوش کے ساتھ کہا۔ آپ کو واضح ہونا چاہیے کہ آج کی تہذیب پہلے کی تہذیب سے کہیں زیادہ قرین انصاف ہے۔ اب عورتوں کے حقوق اس حد تک پامال نہیں کیے جاتے، اب عورت کو مرد سے باز پُرس کرنے کا حق ہے۔"(۱۵)

مذکورہ افسانہ پڑھتے ہوئے بعض مواقع پر واضح طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اب کردار کی سوچ اور عمل پر مصنف اپنے نقطۂ نظر اور نظریے کو حاوی کر رہے ہیں۔

"مطلق نہیں، عورت پر فطرت نے ایسی بندشیں عائد رکھیں ہیں کہ وہ بے حد امکانی کوشش کرنے پر بھی مرد کی طرح مطلق العنان نہیں رہ

سکتی اور نہ حیوانی طاقت میں ہی مرد کا مقابلہ کر سکتی ہے اور آج بھی لاکھوں کروڑوں عورتیں اس آزادانہ روش پر چل رہی ہیں۔"(۱۶)

لیکن ساتھ ہی وہ نئی تہذیب کی چکاچوند پر طنز کرتے ہوئے ہندوستانی معاشرے کے لیے سمِ قاتل قرار دیتے ہیں، جس کی ایک وجہ دولت کی فراوانی اور معاشرتی تہذیبی تقاضوں سے بیزاری کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کا پسماندہ ممالک کے تہذیبی تفاوت کو شہری اور دیہاتی زندگی میں انسانی رویوں کے فرق سے نہ صرف ظاہر کرتے ہیں بلکہ اپنے معاشرے کے نسوانی کردار کی تہذیبی بغاوت اور بے لگام آزادی کے اظہار کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔

"اگر آج تمھیں کہیں سے دولت مل جائے تو تم بھی شاپور بن جاؤ گے یقیناً۔"

کاؤس جی نے شرارت سے پوچھا، "تب شاید تم بھی یہ نیا طرزِ عمل اختیار کرو گی۔"

گلشن نے متبسم آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔

"شاید نہیں یقیناً۔"(۱۷)

ہندوستانی معاشرے میں مغربی تہذیب کی دیکھا دیکھی رونما ہونے والی ایسی تبدیلیوں کی پریم چند کے افسانوں میں کئی جگہ مثالیں نظر آتی ہیں۔ افسانہ "مس پدما" کے "جھلا جی" اور "پدما" کی شراب خوری کی بات ہو؛

"دوسرے الگ نوکروں کو سخت تاکید تھی کہ ان کے کسی حکم کی تعمیل میں دیر نہ ہو۔ ذرا سی شکایت ہوئی اور تم گئے۔ روز ان کے لیے اچھی اچھی شرابیں آتیں اور پدما کو بھی شراب کا چسکا پڑ گیا تھا۔ جنت کے مزے لوٹے جا رہے تھے۔"(۱۸)

یا پھر ہندوستانی افراد میں گوروں کی تقلید میں بال رومز، کلب اور ہوٹل جانے کا رواج ہو، پریم چند کی کہانیاں یہ سارے مناظر دکھاتی ہیں۔

"اب تک رامیندر اور سلوچنا دونوں کلب جایا کرتے تھے۔ وہاں آزاد خیالوں کا ایک جمگھٹ رہتا تھا۔ جب تک رامیندر کو کسی کی طرف سے شبہ نہ تھا وہ اسے اصرار کے ساتھ لے جاتا۔ سلوچنا کے پہنچتے ہی وہاں ایک زندہ دلی سی پیدا ہو جاتی۔"(۱۹)

انگریزی تہذیب سے رغبت اور ان اطوار کو اپنانے کے ان میلانات کے پر تو طنزیہ مکالموں کے ساتھ پریم چند کے افسانوں کے صفحات پر دکھائی دیتے ہیں۔

"یہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میں نہیں کر سکتا"۔

کھدر پوش: کر تو آپ بھی سکتے ہیں لیکن کرنا نہیں چاہتے۔ یہاں تو ان لوگوں میں سے ہیں کہ اگر بدیشی دعا سے نجات ملتی ہو تو اسے بھی ٹھکرا دیں۔

امرناتھ: تو شاید آپ گھر میں پکنک کرتے ہوں گے۔

کھدر پوش: "پہلے گھر میں کر کے تب باہر کرتے ہیں بھائی صاحب۔"(۲۰)

سجاد حیدر یلدرم اپنے افسانوں کی کہانیوں اور لب و لہجے کے لحاظ سے رومانوی لکھاری ہیں، نیز ان کے ہاں اصلاحی پہلو بھی نظر آتے ہیں۔ ترکی ادب سے استفادہ کی وجہ سے ان کے ہاں ایک خاص لب ولہجہ ہے۔ "اُنہوں نے مغربی طرز کی زندگی گذاری مگر حد سے زیادہ مغربیت زدہ خواتین ان کو سخت ناپسند تھیں۔ وہ طبعاً سنجیدہ تھے۔"(۲۱) لیکن پھر بھی "وہ مغربی کلچر اور لبرل ازم سے متاثر ہونے کے باوجود سر سید احمد خان کے برعکس انگریزوں کو برِ صغیر کے باشندوں کے لیے باعثِ رحمت خیال نہیں کرتے۔" (۲۲) مذکورہ موضوع کے حوالے سے یلدرم کے ہاں بھی مغربی تہذیب کے عناصر نظر آتے ہیں۔ وہ پریم چند کی طرح اس دور میں ہندوستان کی سرزمین پر نئی تہذیب کے صرف ناظر نہیں تھے بلکہ مغربی ممالک، یورپ، انگلستان اور ترکی جیسے ممالک کی سیاحت بھی کر چکے تھے۔ چنانچہ ان کے افسانوں میں مغربی تہذیب کے عناصر کو اس تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ان تہذیبی عناصر کا تعلق ہے تو ان کے افسانوں صحبتِ ناجنس، حضرتِ دل کی سوانح عمری اور حکایہ لیلیٰ مجنوں میں ایسے پہلو دکھائی دیتے ہیں۔

سجاد حیدر یلدرم کا افسانہ "صحبتِ ناجنس" (جسے مبارز الدین رفعت نے افسانہ نما انشائیہ قرار دیا ہے) مغربی تہذیب اور ہندوستانی عوام میں اس کے رواج پانے کے رجحان کی عکاسی ہے۔ افسانے کی کہانی کے کردار "عذرا" اور "سلما" اگرچہ دونوں ایک ہی مدرسے کی پڑھی ہوئی ہیں لیکن میلانِ طبع کے لحاظ سے دونوں میں امتیاز ہے۔ سلما کا شوہر ایک انجینئر جبکہ عذرا کا شوہر ایک نواب زادہ ہونے کی وجہ سے نہایت امیر ہے۔ والد کی دولت و جائیداد کا اکلوتا وارث ہے۔ ہندوستانی تہذیب و ثقافت کا پروردہ ہے۔ چونکہ اُردو شاعری اور ہندوستانی راگ

نغموں سے واقفیت اور رغبت رکھتا ہے اور اس کے مقابلے میں اس کی بیوی عذرا انگریزی ادب اور انگریزی موسیقی کی دلدادہ ہے، اس لیے طبیعت کے بُعد کو زیادہ توجہ دیتے ہوئے طنزاً شوہر کی ناپسندیدہ اطوار پر اس کی تعلیمی استعداد کو یوں نشانہ بناتی ہے۔

"بعض لحاظ سے دیکھا جائے تو میرا خاوند برا نہیں، نہایت امیر ہے اور چونکہ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، اس لیے کل دولت کا خود ہی مالک ہے۔ حیدر آباد کے مدرسہ میں کچھ دن گزارے ہیں۔ اس لیے پڑھ لکھ بھی سکتا ہے،"(۲۳)

افسانے میں تہذیبی تفاوت کے باعث ذہنی سطح کا یہ فرق کئی مواقع پر نظر آتا ہے۔

"انہوں نے تڑپ تڑپ کر جواب دیا"میں انگریز ہوتا تو بے شک واقف ہوتا۔" بس اس پر ہم دونوں چُپ ہو گئے۔ میرے ہونٹوں کو داغ نے سی دیا، ان کے ہونٹوں پر ملٹن نے مہرِ سکوت لگا دی۔"(۲۴)

اسی طرح سے طبیعت کے میلان کی مناسبت سے رشتے ناطے بنانے کے معاملے میں لڑکا لڑکی کے مزاج اور اس میں ہم آہنگی کے حوالے سے "صحبتِ ناجنس" کی سطریں ملاحظہ ہوں جس میں مزاج کی ہم آہنگی اور ایک دوسرے کو جان لینے (شاید اس میں دونوں جنسوں کو ملنے جلنے کی آزادی ہو) کو باقی معیارات پر ترجیح دی گئی ہے۔

"بس اسی طرح لڑکے لڑکی کے مزاج کا خیال لازمی ہے، امتزاج کے اسباب موجود ہیں یا نہیں، طبیعتوں میں ایسا بین تضاد تو نہیں کہ میل کھانا مشکل ہو۔ میرے نزدیک تو سب سے زیادہ اہم سوال یہ ہیں۔ حسن و جمال، مال و دولت، تعلیم و تربیت سب کو میں دوسرے درجے پر رکھتی ہوں۔"(۲۵)

سجاد حیدر یلدرم کا افسانہ "حضرتِ دل کی سوانح عمری" ایک عاشق کے دل کی بپتا ہے، جس کے احساسات مشرق و مغرب دونوں میں یکساں ہیں۔ اگر حُسن سے متاثر ہو کر اسے یہاں راہِ پُر خار پر چلنا پڑتا ہے تو وہاں مغرب میں بھی اس کی یہی کیفیت ہے۔ مغربی ممالک رہ کر آنے والے افراد کے ہاں وہاں کے نظم و ضبط اور اصول پرستی کی باتیں اکثر سنی گئی ہیں۔ یلدرم کے حضرتِ دل کی داستان میں بھی جب دل کا واسطہ مغرب سے پڑتا ہے تو دل کی اس دلچسپ کہانی میں بھی کچھ ایسے خیالات کا اظہار کر دیتے ہیں۔

"مشرق میں میں نے اس قدر ٹھوکریں کھائی تھیں کہ میں یہاں سے بھاگا۔ مغرب میں گیا، سوچا یہاں آرام، سکون نصیب ہو گیا۔ مگر آرام و سکون کیسا، یہاں بھی وہی بد نظمی، وہی لوٹ۔ بد نظمی سہی، لوٹ سہی، پھر بھی مشرق کے برابر مجھے مغرب سے شکایت نہیں، یہاں لوٹ ہے، قزاقی ہے، ٹھگی نہیں، یہاں لٹیرے ڈنکے کی چوٹ ڈاکا ڈالتے ہیں۔"(۲۶)

حکایت لیلیٰ و مجنوں میں کہانی کے بیان اور واقعات کی پیشکش میں یلدرم نے تہذیبی فضا کی تفریق کو بھی دکھایا ہے۔ وہ اپنی کہانیوں میں تہذیبی تفاوت کو عناصر کی تبدیلی کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور کرداروں کو ترقی یافتہ ماحول کی تبدیلیوں سے مشروط کر دیتے ہیں۔

"بات یہ تھی کہ قدرت نے اس ستم ظریف، مرحمت ناشناس قدرت نے جو ہم سب کو اپنا بازیچہ بنائے ہوئے ہے، بے چارے قیس عامر کو پھر نجد میں لا بٹھایا تھا!۔۔۔ اس نجد میں نہیں جو قیس بھولے، قیس کے زمانہ سے لے کر 1907 تک تھا۔ اس نجد میں نہیں جس میں آج تک قیس کی روح شاداں و فرحاں پھرتی ہے کیوں کی وہ اب تک نجد میں، اپنے زمانے کے صحرا، اپنے زمانے کے ٹیلے، اپنے زمانے کے غزال، اپنے زمانے کی صبا، اپنے زمانے کا ناقہ، اپنے زمانے کا ساربان پاتی ہے بلکہ اس نجد میں جس میں اب ریل تھی، تار تھا، موٹر کار تھی، ٹراموے تھی، ترقیاں تھیں، مصیبتیں تھیں۔"(۲۷)

ہم دیکھتے ہیں کہ یلدرم کے ہاں مشرق و مغرب دونوں کے مشاہدات کے باعث جگہ جگہ ایسے جُملے پڑھنے کو ملتے ہیں جس میں وہ ہر دو خطوں کے افراد کے احساسات اور فرق کو اُجاگر کرتے ہیں۔

"میں یہی چاہتی تھی کہ نجد کی عورتوں کی کچھ کیفیت آپ بیان کریں، ظاہر ہے کہ مجھے اپنی ہی ہم جنسوں کے حالات میں زیادہ دلچسپی ہو گی۔ یہ بتائیے کہ وہاں کی عورتوں کا اثر مردوں پر ہے یا نہیں، مشرق اس معاملے میں ہمیشہ مغرب کا مطعُون رہا ہے۔"(۲۸)

"بلکہ میرا پہلا سوال تو یہی تھا کہ آپ نجد کے حُسن میں اور میں محض مثالاً کہتی ہوں، یورپ یا غرب کے حُسن میں کیا مابہ الامتیاز پاتے ہیں۔

شاید کیا غالباً حُسن تو وہیں آپ کی نظروں میں کھبتا ہو گا، لیکن اس کھبنے
کی وجہ بھی ذرا بیان کیجیے گا۔"(۲۹)

افسانے کی تخلیق کے ابتدائی زمانے میں پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم کے ساتھ ساتھ افسانہ نگار سلطان حیدر جوش کے ہاں ہمیں تہذیبِ مغرب کی بڑی واضح عکاسی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ امر توجہ طلب ہے کہ اس ضمن میں جوش صاحب اپنی تحریروں میں کئی جگہ اس تہذیب اور اس کے اثرات کے مخالف دکھائی دیتے ہیں۔ "جس طرح پریم چند کے ابتدائی افسانوں کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے قوم میں وطن کی محبت اور اس محبت میں اپنا تن، من، دھن سب کچھ نثار کر دینے کا جذبہ پیدا کیا جائے، اسی طرح سلطان حیدر جوش کے افسانوں کی بنیاد اس جذبہ اور احساس پر ہے کہ مشرق والوں (یعنی ہندوستانیوں کو) مغربی تعلیم اور تہذیب کے فریب سے محفوظ رکھا جائے۔" (۳۰) ان کے افسانوں اور مضامین کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ ہندوستانی عوام کی مغرب پرستی کو اُجاگر کرتے ہوئے اپنی کہانیوں کا حصہ بناتے ہیں۔

""عزیز اینڈ اسمٰعیل جنرل سٹورز" ایسی مشہور دکان تھی جس کو بمبئی کا
بچہ بچہ تک جانتا تھا، اس کی شہرت کی وجہ زیادہ تر یہ سننے میں آئی تھی کہ
وہ بالکل نئے مغربی اصول پر چلائی گئی تھی۔ سوائے عزیز اور اسمٰعیل
کے، جو شرکاء کمپنی تھے، تمام کارکن صنفِ نازک کی دلکش صورتیں۔
ربن لیس یعنی فیتہ و بیل وغیرہ کے حصہ کی انچارج رضیہ تھی اور روپیہ
پیسہ کی نگراں حمیدہ تھی۔"(۳۱)

مشرقی تمدن کی حمایت میں سلطان حیدر جوش کے ہاں بے پردگی کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اصلاح معاشرہ کی بعض چیزوں میں وہ یلدرم کے ہم خیال ہی سہی "مگر عورتوں کے پردے کے مخالف تھے جب کہ سلطان حیدر جوش اور یلدرم کے دوست مشتاق زاہدی کے مابین تمدن میں کئی قسطوں میں پردے کی موافقت اور مخالفت میں مباحثہ ہوتا رہا۔"(۳۲) یہی وجہ ہے کہ افسانوں میں پردے کی موافقت بے پردگی کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے تھیکے الفاظ سے واقعات میں شدت پیدا کر دیتے ہیں۔

"مسٹر ابلیس کو ایک حسین کمسن لڑکی سے جو بے پردگی کی زندگی بسر کر
رہی ہو جو اپنے حسنِ زاہد فریب سے نوجوان طبیعتوں کے دل میں شعلۂ

جہنم مشتعل کر دیتی ہو۔ خواہشاتِ نفس اور شرورِ بد کی بے حد امید تھی۔"(۳۳)

گویا بے پردگی اور مغربی تہذیب کی مخالفت ان کے ہاں ایسے ملتی ہے کہ یہ اس دور کا ایک خاص مسئلہ بنتا جارہا تھا۔"جوش کے ابتدائی دور کے افسانوں میں بے پردگی، مساواتِ نسواں اور مغربی طرزِ تمدن کے خلاف ضرورت سے زیادہ جوش ملتا ہے۔"(۳۴)ایک دلچسپ امر کے لحاظ سے مجموعہ "جوشِ فکر" میں فہرست مضامین کے بعد اگلے صفحہ پر کوٹ پتلون، چھوٹی نکٹائی اور انگریزی بوٹ کے ساتھ ملبوس، کرسی پر بیٹھے سلطان حیدر جوش کو دیکھ کر جدید طرزِ لباس سے ان کی رغبت کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے لیکن "یہ بھی درست ہے کہ وہ مغربی افسانوں سے استفادہ اور مغربی تمدن سے اجتناب کرتے تھے یا کم از کم ایک عرصے تک اس کی تلقین کرتے رہے۔"(۳۵)"اُنھوں نے اپنے افسانوں سے مغربی تہذیب کے منفی پہلوؤں کی جانب توجہ دلائی اور مشرقی تہذیب کے مثبت پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔"(۳۶)

فسانہ جوش میں اُن کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو "مرد یا عورت" میں مغربی طرزِ لباس اور طرزِ زندگی کی جس طرح مذمت کرتے ہیں اُس سے لگتا ہے کہ یہ خیالات خصوصاً اپنے معاشرے کی عورتوں کے لیے خاص تھے۔ بلکہ ایسے حالات کے ذمہ دار ایچ اے قمری جیسے افراد کو بھی وہ نہ بخشتے ہوئے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ بہر حال ہندوستانی ماحول میں مغربی طرزِ زندگی سے ناپسندیدگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں؛

> "مجھے افسوس ہے کہ میں گا بھی نہیں سکتا اور ناچنے سے بھی متنفر ہوں! مختصر یہ کہ مغرب کا زنانہ لباس اور اداہائے دلکش میری مردانہ آنکھوں کو کیسی ہی دلفریب و دلکش کیوں نہ معلوم ہوتی ہوں لیکن میں خود اپنی شخصیت کے لیے ان کو ایک لمحہ کے واسطے بھی گوارا نہیں کر سکتا!"(۳۷)

جوش کے افسانوں اور مضامین میں مغربی تہذیب کی عکاسی ہمیں کچھ اس انداز سے ملتی ہے گویا اس بڑھتے ہوئے نوارد رجحان پر ان کی گہری نظر تھی۔ تہذیبِ جدید کے ان نئے رویوں کو پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم نے بھی اپنے افسانوں کا حصہ بنایا لیکن جوش نے اسے اپنی ناقدانہ نظر کے ساتھ امتیازی انداز میں پیش کیا ہے۔ تہذیبِ مغرب کی یہ تصویریں پیش کرتے ہوئے، "یہ بات اُنھوں نے بہت کم پیشِ نظر رکھی ہے کہ وہ ایک بلند نصب العین کے

حامی واعظ اور مصلح ہونے کے علاوہ قصہ گو بھی ہیں۔" (۳۸) لہٰذا اپنی دھرتی کے افراد کی طرزِ زندگی میں آنے والی ان تبدیلیوں کو اس طرح سے پیش کرتے ہیں؛

> "البتہ مسز قمری۔ جو کسی زمانے میں صغرا بیگم تھیں۔ بالکل قمری کے کٹ کھنوں پر چلتی تھی! پردہ ظالمانہ قید پردہ جامہ کہنہ کا پیوند پردہ۔ بیباکی کے ساتھ اُٹھا دیا گیا تھا اور مسز قمری ترقی یافتہ زمانے کے باغ اٹیکیٹ کی قُمری۔ دیدہ دلیری کے ساتھ زندگی کے ہر ہر شعبہ کا لطف اُٹھاتی تھیں! جلسوں میں شریک ہونا، پارک کے چکر کاٹنے، دوست احباب سے آزادی کے ساتھ ملنا جُلنا، غرض ان کی زندگی ایک عجیب پُرلطف اور مسرت انگیز زندگی تھی! مسٹر قمری بھی ایسی لائق اور طباع بیوی پر فخر سے مسکرایا کرتے تھے، اور باغ وغیرہ میں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ٹہلنے میں اُن کو بہت زیادہ روح پرور مسرت حاصل ہوتی تھی!!" (۳۹)

بحیثیتِ مجموعی دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ادبی اصناف کی تخلیق کے دوران اگر ایک طرف غالب سطح پر مقامی تہذیب اور واقعات کو اُردو افسانہ میں پیش کیا گیا تو دوسری طرف مغربی (انگریزی) تہذیب کی بھی عکاسی کی گئی، جس کی واضح وجہ انگریزوں کی اس خطے میں موجودگی اور اثر ورسوخ تھا۔ ایک طرف تو بذاتِ خود یہ تہذیبی اثرات مقامی افراد میں رواج پا رہے تھے، تو دوسری طرف اگر سرسید جیسے قومی رہنماؤں نے تہذیب وشائستگی اپنانے پر زور دیا تو ان کے پاس مثالیں پیش کرنے کے لیے انہی مغربی اکابر و دانشوران کے علاوہ کچھ خاص نہ تھا۔ اُنہوں نے بھی اگر تہذیبی اور اخلاقی رویوں پر نظر ثانی اور اسے بدلنے کی بات کی تو وہ دورہ انگلستان کے مشاہدات اور ٹیٹلر اور سپیکٹیٹر جیسے رسائل کے مضامین کو مدِ نظر رکھنا تھا۔ بہر حال ہندوستانی عوام کے ہاں رواج پانے والے ان تہذیبی رویوں کو ان ابتدائی افسانوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب کی عکاسی کی یہ مثالیں دیکھنی ہوں تو ہمیں انہی ابتدائی افسانہ نگاروں پریم چند، سجاد حیدر یلدرم اور سلطان حیدر جوش کی تخلیقات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی (مرتبہ)، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1985ء، ص192

2۔ وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، لاہور: الوقار پبلیکیشنز، س ن، ص9

3۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، کلچر کا مسئلہ، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، 1977ء، ص14

4۔ قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، لاہور: وین گارڈ بکس لمیٹڈ، 1983ء، ص369

5۔ امجد طفیل، ادب کا عالمی دریچہ، لاہور: شرکت پریس، 2012ء، ص12

6۔ محمد احمد، مفتی، پروفیسر، تعارف تہذیبِ مغرب اور فلسفہ جدید، فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ، 2014ء، ص94

7۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، 1993ء، ص168

8۔ عبدالسلام ندوی، مولانا، اقبالِ کامل، لاہور: طٰہٰ رحیم پبلیکیشنز، س ن، ص158

9۔ فکرِ اقبال۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ص157

10۔ اشتیاق احمد، ہمارا کلچر اور ادب، لاہور: بیت الحکمت، 2007ء، ص50

11۔ مدن گوپال (مرتبہ)، کلیاتِ پریم چند14، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، 2003ء، ص484

12۔ ایضاً، ص491، 492

13۔ ایضاً، ص496

14۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، پاکستانی کلچر، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1987ء، ص19

15۔ "لعنت"۔ مشمولہ، کلیاتِ پریم چند14، مدن گوپال (مرتبہ)، ص417

16۔ ایضاً، ص418

17۔ ایضاً، ص427، 428

18۔ ایضاً، ص456

19۔ مدن گوپال (مرتبہ)، کلیاتِ پریم چند13، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، 2003ء، ص71

20۔ ایضاً، ص364

21۔ سجاد حیدر یلدرم، خیالستان، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، 1996ء، ص10

22۔ انور احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ص46، 45

23۔ خیالستان، جاد حیدر یلدرم، ص90

24۔ ایضاً، ص89

25۔ ایضاً، ص92

26۔ ایضاً، ص104، 105

27۔ قرۃ العین حیدر (مقدمہ)، انتخاب سجاد حیدر یلدرم، لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، 1990ء، ص159، 160

28۔ ایضاً، ص180

29۔ ایضاً، ص180

30 سید وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، ص208

31۔ سُلطان حیدر جوش، جوشِ فکر، علی گڑھ: ڈسٹرک گزٹ پریس، س ن، ص127، 128

32۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص64

33۔ سلطان حیدر جوش، جوشِ فکر، ص16

34 انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص58

35۔ ایضاً، ص64

36۔ وقار عظیم، سید، نیا افسانہ، علی گڑھ: انجمن ترقی اُردو ہند، 1982ء، ص20

37۔ سلطان حیدر جوش، فسانہ جوش، لکھنو: دارالناظر پریس، 1926ء، ص186

38۔ سید وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، ص209

39۔ مساوات، مشمولہ، فسانہ جوش، سلطان حیدر جوش، ص3